جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

"اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں، یہ (بات) اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[1]

اس آیت کو آیت حجاب سے موسوم کیا گیا ہے۔[2]

اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ مومن عورتوں، بالخصوص اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو، ان کے شرف ومجد کے پیش نظر، حکم دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھ لیا کریں اور گھونگٹ نکال لیا کریں تاکہ ان کی ہیئت وصورت اہلِ جاہلیت کی بدکردار عورتوں سے مختلف ہو۔ جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو دوپٹے کے اوپر اوڑھی جاتی ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی علماء کا یہی قول ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اس کی ابتدا اپنی ازواج مطہرات اور بیٹیوں سے کریں کیونکہ دوسروں کی نسبت ان کے لیے یہ حکم زیادہ مؤکد ہے۔ مزید برآں کسی معاملے میں دوسروں کو حکم دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ حکم کے اطلاق ونفاذ کا آغاز سب سے پہلے وہ اپنے گھر سے کرے۔[4]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ وہ اپنی چادر

① الأحزاب 33: 59. ② تفسير السعدي، ص: 788. ③ المصباح المنير، ص: 1106.
④ تفسير السعدي، ص: 788.

اوڑھ کر گھونگٹ نکال لیا کریں، اس میں جلباب سے مراد وہ کپڑا ہے جو عام لباس کے اوپر اوڑھ لیا جاتا ہے، مثلاً: دوپٹا، اوڑھنی اور چادر وغیرہ، یعنی چادر وغیرہ سے اپنا چہرہ اور سینہ ڈھانپ لیا کریں۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ ان کی نافرمان عورتوں سے تمیز ہوجائے اور لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ نیک اور صالح عورتیں ہیں تاکہ کوئی بدکردار شخص انھیں تکلیف نہ پہنچا سکے۔[2]

یہ آیت عدم حجاب کی صورت میں اذیت رسانی کے امکان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر وہ پردہ نہیں کریں گی تو بسا اوقات ان کے بارے میں کوئی شخص اس وہم میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے کہ یہ عورتیں پاکباز نہیں ہیں، یوں کوئی بدکردار شخص جس کے دل میں مرض ہو، چھیڑ چھاڑ کرکے انھیں تکلیف پہنچا سکتا ہے، بے حجابی کی صورت میں بسا اوقات ان کی اہانت بھی ہوسکتی ہے۔ کوئی شریر شخص انھیں غلط کردار والی سمجھ کر ان سے برا سلوک بھی کرسکتا ہے، لہٰذا حجاب بدکردار اور بدطینت لوگوں کی لالچ بھری نگاہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا اختتام بندوں کے لیے اپنی مغفرت اور رحمت کے ذکر جمیل پر کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ زمانۂ جاہلیت میں کیے گئے سابقہ گناہ معاف کرنے والا ہے جو ان سے لاعلمی کی بنا پر سرزد ہوئے تھے۔[4]

① تفسير السعدي، ص: 788. ② حسن الأسوة، ص: 157. ③ تفسير السعدي، ص: 788.
④ المصباح المنير، ص: 1106.

60

بطن مادر کی تاریکیاں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝﴾

’’وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے، ایک پیدائش (مرحلے) کے بعد دوسری پیدائش میں، تین قسم کے اندھیروں (پردوں) میں، یہ ہے اللہ تمھارا رب، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے (بہکے) جاتے ہو؟‘‘ [1]

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے والدین (آدم وحواء علیہما السلام) کی تخلیق کا ذکر فرمایا تو ہماری تخلیق کی ابتدا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ میں ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے میں بتدریج تخلیق کرتا چلا جاتا ہے اور تمھاری حالت یہ ہوتی ہے کہ کسی مخلوق کا ہاتھ تمھیں چھوسکتا ہے، نہ کوئی آنکھ تمھیں دیکھ سکتی ہے۔ اس قدر تنگ جگہ میں اللہ تعالیٰ نے تمھاری پرورش فرمائی ہے۔ [2]

[1] الزمر 39 : 6. [2] تفسير السعدي، ص : 846.

تم میں سے ہر شخص پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر جما ہوا خون بنتا ہے، پھر گوشت کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کو ترقی دیتے ہوئے اس کا گوشت، ہڈیاں، پٹھے اور رگیں پیدا فرماتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے تو وہ ایک مخلوق، یعنی انسان بن جاتا ہے۔ [1]

یہ سارا عمل تین اندھیروں میں ہوتا ہے، یعنی پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور اس جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے۔ اور جس نے یہ سارا اہتمام کیا، وہی اللہ رب العزت ہے جس نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اسے پیدا کیا، جس نے تمھیں اور تمھارے آباء واجداد کو پیدا فرمایا، وہی رب ہے، ہر سُو اسی کی شہنشاہی ہے اور ان تمام چیزوں میں اسی کا تصرف اور اختیار ہے۔ [2]

اللہ ہی تمھارا الٰہ اور معبود حقیقی ہے جس نے تمھاری پرورش اور تدبیر کی۔ جس طرح وہ تمھیں پیدا کرنے اور پرورش کرنے میں اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح وہ اپنی الوہیت میں بھی اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۝﴾ ’’اس کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟‘‘ یعنی تم اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کیوں کرتے ہو (اس قدر وضاحت کے بعد بھی شرک کا راستہ اختیار کرتے ہو)، تمھاری عقلیں کہاں گم ہوگئیں؟ [4]

[1] المصباح المنير، ص : 1182. [2] المصباح المنير، ص : 1182. [3] تفسير السعدي، ص : 846. [4] المصباح المنير، ص : 1182.

61

حمل اور وضع حمل کے احوال اللہ ہی کے علم میں ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ﴾

''اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور بچہ جنتی ہے، (سب کچھ) اللہ کے علم میں ہے۔''[1]

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے وسیع علم کا ذکر ہے، نیز ان امور کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ ''قیامت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔'' یعنی تمام مخلوق کا علم اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کے علم سے ماخوذ ہے۔ تمام انبیائے کرام اور فرشتے وغیرہ اس بارے میں اپنے عجز اور بے بسی کا اقرار کرتے ہیں، نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا﴾ ''اور جو بھی پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں۔'' یعنی وہ خول اور شگوفے جن سے پھل نکلتے ہیں۔ یہ ارشاد مبارک شہروں اور جنگلوں میں اگنے والے تمام درختوں اور پودوں کے بارے میں ہے، یعنی کسی بھی درخت پر جو پھل بھی لگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک ریشے

[1] حٰمٓ السجدة 41 : 47.

کو جانتا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی ......﴾ کا مطلب یہ ہے جو بھی بنت آدم اور باقی تمام مادہ حیوانات جو حمل بھی اٹھاتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور جو حاملہ جو بچہ جنتی ہے اللہ کو اس کا بھی بخوبی علم ہے۔[1]

ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہے۔ زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے علم سے ماورا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾

''اور کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو۔''[2]

نیز عظمت و بزرگی کے لائق مالک کا ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝﴾

''اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار (مقرر) ہے۔''[3]

اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نجومیوں، کاہنوں اور کشف کا دعویٰ کرنے والوں کی (امور غیب کے متعلق) باتیں 'پا در ہوا' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور ان کے پاس قطعی اور حتمی علم نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے بلکہ ان کا مبلغ علم

[1] تفسیر السعدي، ص: 884. [2] الأنعام 6 : 59. [3] الرعد 8:13، والمصباح المنير، ص: 1227.

ظن باطل اور وہم فاسد ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم یقینی اور قطعی ہے جس میں اس ذات عالی کا کوئی شریک نہیں۔[1]

پس اللہ تعالیٰ کا علم حاملہ کے حمل پر بھی محیط ہے۔ بنی نوع انسان اور تمام مادہ حیوانات کے حمل کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

62

اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی پر منحصر ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝﴾

"جسے چاہے (صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے یا انھیں بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا، بہت قدرت والا ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہے اور اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہے محروم کر دیتا ہے اور اس سے اپنے عطیے روک لیتا ہے جو کچھ وہ عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو وہ روک

① حسن الأسوة، ص: 161. ② الشورٰی 42:49،50.

لے اسے کوئی دینے والا نہیں اور وہ جو صنف چاہے، اسے پیدا کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا﴾ یعنی جسے چاہے صرف بیٹیاں عطا کرتا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوط علیہ السلام انھی افراد میں سے تھے۔

﴿وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝﴾ "اور جسے چاہے صرف بیٹے عطا کرتا ہے۔"

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام تھے کہ ان کے ہاں کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی: ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ "یا جسے چاہے بیٹے اور بیٹیاں ملے جلے عطا فرماتا ہے۔"

امام بغوی فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت محمد ﷺ۔[1]

﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ "اور جسے چاہتا ہے اولاد سے محروم رکھتا ہے۔"

جیسا کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے۔

گویا رب العزت نے لوگوں کو اولاد کے معاملے میں چار اقسام میں منقسم کردیا۔

① ایک طبقہ وہ جسے صرف بیٹیاں دیں۔

② ایک گروہ جسے صرف بیٹے دیے۔

③ کچھ لوگوں کو بیٹے بھی دیے اور بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔

④ بعض کو بے اولاد رکھا، بیٹے دیے نہ بیٹیاں بلکہ ان کی نسل ہی منقطع کردی۔

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ﴾ یعنی عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ کون شخص اولاد کی ان اقسام میں سے کس قسم کا مستحق ہے۔

① تفسیر البغوی: 4/152،153.

﴿قَدِيْرٌ ○﴾ یعنی لوگوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کرنا اس کی قدرت کا مظہر ہے۔ وہ اپنی مرضی سے لوگوں کو مختلف انواع میں تقسیم فرماتا ہے۔[1] ﴿قَدِيْرٌ ○﴾ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہ اپنے علم اور مہارت کے ذریعے سے تمام اشیاء میں اور اپنی قدرت کے ذریعے سے تمام مخلوقات میں تصرف کرتا ہے۔[2]

آیت مذکور میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں سے مقدم رکھا ہے، اس کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لڑکیوں کی شرح پیدائش کیونکہ لڑکوں سے زیادہ ہے، اس لیے ان کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کے والدین کی دلی تسکین اور اطمینان کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اقوال منقول ہیں۔ لفظ ﴿الذُّكُوْرَ﴾ کو معرفہ لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایسا مردوں کے عورتوں پر شرف کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔[3]

امام بغوی رحمہ اللہ نے بطور مثال ہر قسم کے ایک ایک فرد کا ذکر کیا ہے ورنہ یہ قانون تو تمام انسانیت پر محیط ہے اور مختلف لوگوں کو مذکورہ عطیات، یعنی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی عطیہ ملتا ہے۔

63

جھگڑتے وقت عورت بات واضح کرنے سے قاصر ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 1239. [2] تفسير السعدي، ص: 762. [3] حسن الأسوة، ص: 161.

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ○﴾

''اور جب ان میں سے کسی کو اس (بیٹی پیدا ہونے) کی بشارت دی جاتی ہے جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے جبکہ وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔ کیا (وہ اللہ کی اولاد ہے؟) جس کی زیور میں پرورش کی جاتی ہے اور وہ جھگڑے میں اپنی بات واضح نہیں کر پاتی۔''[1]

درج بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ عورت اپنے وصف، اپنی منطق اور اپنے بیان کے اعتبار سے ناقص ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ (فرشتے) اس کی بیٹیاں ہیں۔ اگر خود ان کے ہاں بیٹی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ شدید ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ناک چڑھاتے ہیں اور ان کے چہروں پر بیٹی کی بشارت پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ اور اس خجالت اور شرمندگی کے باعث کہ اس کے گھر بیٹی ہوئی ہے، وہ لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (نادانو! عقل کے ناخن لو) جس بات سے تم خود اس قدر شرماتے اور نفرت کا اظہار کرتے ہو، اسے اللہ کی طرف کس طرح منسوب کرتے ہو؟ (تمھیں ذرا حیا نہیں آتی)، پھر ارشاد فرمایا: ﴿اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ○﴾ یعنی عورت ناقص ہے اور ایام طفولیت ہی سے اس کا نقص زیور سے پورا ہوتا ہے۔ جب وہ مخاصمت کرتی ہے تو اپنا مافی الضمیر بھی اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی بلکہ اپنی مراد بیان کرنے سے عاجز ہے۔ جس کی یہ حالت ہو، بھلا اسے اللہ کی طرف کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے جو نہایت عظمت والا ہے۔

[1] الزخرف 43 : 18,17.

پس عورت ظاہر و باطن، سیرت وصورت اور معنوی لحاظ سے ناقص ہے۔ اس کا ظاہری اور صورتی نقص زیور وغیرہ پہننے سے دور ہوتا ہے۔ وہ اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لیے آرائش کرتی ہے۔ اس کا معنوی نقص یہ ہے کہ وہ جھگڑے کے وقت صحیح طور پر اپنا بدلہ بھی نہیں لے سکتی بلکہ اس معاملے میں کمزور ہے۔ اس کے پاس قوت بیان ہوتی ہے، نہ بدلہ لینے کی ہمت و طاقت جیسا کہ کسی عرب نے، جب اسے بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی گئی تو کہا تھا: یہ کوئی اچھی اولاد نہیں (اگر اس سے مدد مانگی جائے تو) اس کی مدد صرف رونا ہے (اور اس سے نیکی کا مطالبہ کیا جائے تو) چوری اس کی نیکی ہے، یعنی کما تو سکتی نہیں چوری کر کے ہی مدد کرے گی۔[1]

اس آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ عورت از خود اپنے امور کی نگرانی سے عاجز ہے اور مقابلہ و مخاصمت کے وقت وہ مدمقابل کا صحیح جواب بھی نہیں دے سکتی۔ اپنی دلیل صحیح طور پر پیش نہیں کرسکتی، اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں کمزور ہے، مدمقابل کے دلائل کا صحیح توڑ کرنے کی بھی اس میں صلاحیت نہیں۔ یہ سب کچھ اس کی عقل کے ناقص اور اس کی رائے کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔[2]

64

عورتیں جنت میں اپنے خاوندوں کے ساتھ ہوں گی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 المصباح المنیر، ص: 1243. 2 حسن الأسوة، ص: 163.

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝﴾

’’جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے اور وہ فرماں بردار تھے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تمھیں اور تمھاری بیویوں کو خوش کر دیا جائے گا۔‘‘

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت میں سے متقین کی جزا اور بدلے کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت مومنوں کو آواز دے گا تو ان کے دل باغ باغ ہو جائیں گے اور ان کے سارے مصائب و آلام کافور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ منادی فرمائے گا:

﴿ یٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝﴾

’’(انھیں کہا جائے گا:) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔‘‘[2]

یعنی پیش آمدہ مسائل اور مشکلات میں تمھیں کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہوگا، نہ ماضی پر کسی قسم کی ندامت اور حزن و ملال ہوگا۔ جب ہر ناپسندیدہ چیز سے چھٹکارا مل جائے گا، تمام خدشات نابود ہو جائیں گے اور ان کے لیے ان کی محبوب و مطلوب چیز کا حصول یقینی ہو جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝﴾ یعنی ان کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور اس ایمان میں ان آیات کی تصدیق بھی شامل ہے اور ان کے معانی و مفاہیم جاننا بھی جس کے بغیر تصدیق مکمل نہیں

1 الزخرف 43 : 70,69. 2 الزخرف 43 : 68.

ہوسکتی، پھر ان کے مطابق عمل کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ ﴿وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝﴾ اور وہ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے والے ہیں، پس انھوں نے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو متصف و مزین کرلیا۔[1] لہٰذا انھیں کہا جائے گا: ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ﴾ یعنی تم اور جو بھی تمھاری طرح ہیں۔[2] جنھوں نے بیوی، بچوں اور دوستوں وغیرہ میں سے تمھارے جیسے اعمال کیے ہیں، وہ سب تمھارے ساتھ ہوں گے۔[3]

مزید فرمایا: ﴿تُحْبَرُوْنَ۝﴾ یعنی تم نازونعمت میں نہایت باعزت طریقے سے رہو گے اور تم پر تمھارے رب کا فضل اور خیرات و برکات ہوں گی اور تم طرب و سرور اور ایسی بے مثل لذتوں سے مستفید ہو گے جن کی صفات کی تعبیر کرنے سے انسانی زبانیں عاجز ہیں۔[4]

65

رضاعت کی مدت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی

① تفسير السعدي، ص: 906. ② المصباح المنير، ص: 1251. ③ تفسير السعدي، ص: 906. ④ تفسير السعدي، ص: 906.

ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے۔''[1]

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان پر شفقت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف وکرم اور والدین کی توقیر و تکریم ہے کہ اس نے اولاد کو حکم دیا اور اسے اس امر کا پابند کیا کہ وہ اپنے والدین سے نرمی اور نوازش سے بات کریں۔ مال و نفقہ اور دیگر طریقوں سے ان سے بہترین سلوک کریں، پھر اس سلوک کے سبب کی طرف بھی اشارہ کیا، وہ یہ کہ ماں اپنے بچے کو پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے، حمل کے دوران تکالیف برداشت کرتی ہے، پھر ولادت کے وقت بہت بڑی مشقت کا سامنا کرتی ہے، پھر رضاعت اور پرورش کی تکالیف برداشت کرتی ہے، مذکورہ مشقت ومحن تھوڑی دیر کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ طویل مدت ہے جس کا دورانیہ تقریباً تیس ماہ ہے۔ جن میں سے نو ماہ حمل اور باقی رضاعت کے دن ہیں، یہ ایک عمومی اندازہ ہے۔ اس میں کمی بیشی کا امکان بھی ہے۔[2]

مذکورہ بالا آیت اور ﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ ''اور مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں۔''[3]

ان دونوں آیات کو ملا کر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کم سے کم مدت حمل چھ ماہ ہے کیونکہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ اور تیس مہینوں سے دو سال نکال دیے جائیں تو چھ ماہ رہ جاتے ہیں جو کم سے کم مدت حمل ہے۔[4]

① الأحقاف 46 : 15. ② تفسير السعدي، ص: 921. ③ البقرة 2:233. ④ تفسير السعدي، ص: 921.

یہ استنباط سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا ہے، انھوں نے فرمایا کہ کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ ان کا یہ استنباط نہایت قوی اور درست ہے، سیدنا عثمان اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی موافقت کی ہے اوران کا استنباط درست قرار دیا ہے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: ''جب عورت کا وضع حمل نو ماہ بعد ہوتو اس کے لیے اکیس ماہ دودھ پلانا کافی ہوگا۔ اور اگر وضع حمل سات ماہ بعد ہوتو تیئس (23) ماہ دودھ پلانا کفایت کرجائے گا، چھ ماہ بعد وضع حمل ہوجائے تو مکمل دو سال دودھ پلانا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا﴾۔''[2]

66

والدین سے بدسلوکی کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیۡ قَالَ لِوَالِدَیۡهِ اُفٍّ لَّکُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ وَقَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِیۡ ۚ وَهُمَا یَسۡتَغِیۡثٰنِ اللّٰهَ وَیۡلَكَ اٰمِنۡ ٭ۖ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوۡلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ○﴾

''اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تم دونوں پر اُف (افسوس) ہے! کیا تم

[1] المصباح المنير، ص 1219. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 422/7، والمصباح المنير، ص: 1269.

دونوں مجھے وعدہ دیتے ہو کہ مجھے (قبر سے) نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جبکہ وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے (اور کہتے) ہیں: تو ہلاک ہوجائے! ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تب وہ کہتا ہے: یہ تو بس اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس صالح شخص کا حال بیان کرنے کے بعد جو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے، اس آدمی کا حال بیان کیا ہے جو اپنے والدین کا نافرمان ہے۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ یہ بدترین حال ہے، پس جب انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اسے بداعمالیوں کی سزا سے ڈرایا، اور یہ والدین کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ اولاد کو ایسے امور کی طرف دعوت دیں جن میں ابدی سعادت اور ہمیشہ کی فلاح و کامیابی مضمر ہو تو وہ بدترین طریقے سے والدین سے پیش آیا اور اس نے کہا: ستیاناس ہو تمھارا (اور) تمھاری دعوت کا![2]

پھر اس نے اپنے انکار اور اس بات کا ذکر کیا جسے وہ محال سمجھتا تھا اور کہا: ﴿اَتَعِدٰنِنِیۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ﴾ کیا تم مجھے بتاتے ہو کہ قیامت کے دن مجھے میری قبر سے نکالا جائے گا ﴿وَقَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِیۡ﴾ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے جو کفر اور تکذیب کی راہ پر گامزن تھے اور ہر کافر، جاہل اور معاند حق و صداقت کا رہبر اور مقتدیٰ تھا۔[3]

اس کی اس قدر سرکشی اور نافرمانی کے باوجود اس کے والدین اس کے لیے اللہ

[1] الأحقاف 17:46. [2] تفسير السعدي، ص: 921. [3] تفسير السعدي، ص: 921.

تعالیٰ سے راہ ہدایت کی دعا کررہے تھے اور اسے دعوت دے رہے تھے: ﴿وَيْلَكَ آمِنْ﴾ ''تو ہلاک ہو! ایمان لے آ۔'' اور اس کے روبرو اللہ کے وعدے کی سچائی بیان کررہے تھے کہ وہ فرماں برداروں کو بہترین بدلہ دے گا اور نافرمانوں کے لیے اس کے عقاب وعذاب کا وعدہ برحق ہے۔ ان کا بیٹا اس کے باوجود حق سے سرکشی، تمرد، نفرت اور تکبر ہی کیے جارہا تھا۔ یہ آیت ہر اس شخص کے لیے ہے جو ایسی دعوت دے اور جس شخص نے کہا ہے کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا یہ قول ضعیف اور مردود ہے کیونکہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہوگئے تھے اور ان کا اسلام خوب تھا اور وہ اپنے زمانے کے معتبر اور اچھے لوگوں میں سے تھے۔[1]

جب مروان بن معاویہ نے کہا: یہ آیت سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے اس کی تردید کی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سوائے میری براءت کے ہمارے بارے میں (خصوصی طور پر) کچھ نازل نہیں کیا۔[2]

درست بات یہی ہے کہ اس آیت سے مراد کوئی مخصوص ومعین فرد نہیں ہے بلکہ اس کے ضمن میں ہر وہ شخص آتا ہے جو ایسی صفات کا حامل ہے، یعنی ہر وہ شخص جسے اس کے والدین صحیح دین کی دعوت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب دیں اور وہ انکار کرے اور تمرد وسرکشی کا راستہ اختیار کرے۔[3]

① المصباح المنير، ص: 1270. ② المصباح المنير، ص: 1270. ③ حسن الأسوة، ص: 164.

67

خواتین کو ایک دوسرے کا مذاق اڑانے کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾

''اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ مذاق کرنے، ان کا تمسخر اڑانے اور انھیں حقیر سمجھنے سے منع فرماتا ہے۔ اور ایسا کرنا حرام ہے، اس لیے کہ جس کی تحقیر کی جارہی ہوتی ہے، بسا اوقات وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قدرومنزلت والا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیر سمجھا جانے والا شخص، تمسخر اڑانے والے کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

''تکبر حق بات کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔''[3]

① الحجرات 11:49. ② المصباح المنير، ص: 1303. ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث: 91.

حدیث میں مذکور لفظ ''غمط'' کا مطلب لوگوں کو گھٹیا، کم تر اور اپنے آپ کو بڑا اور بالاتر سمجھنا ہے۔ مردوں کے لیے ایک دوسرے کا تمسخر اڑانے کی نہی پر نص ہے اور عورتوں کی نہی کو مردوں کے بارے وارد نہی پر عطف کیا ہے۔[1] اور فرمایا ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ﴾ اور عورتیں بھی عورتوں سے تمسخر نہ کریں۔ گویا استہزا اور تمسخر دونوں کی ممانعت ہے، یعنی ہر قسم کی گفتگو اور قول و فعل کے ذریعے سے کسی کا تمسخر اڑانا جس سے کسی مسلمان کی تحقیر ہوتی ہو قطعاً حرام اور ممنوع ہے۔ اور یہ چیز تمسخر اڑانے والے کی خود پسندی کی دلیل ہے۔ ہوسکتا ہے جس کا تمسخر اڑایا جارہا ہو، وہ تمسخر اڑانے والے سے بہتر انسان ہو اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ تمسخر صرف وہی شخص کرتا ہے جس کا دل اخلاق بد سے لبریز ہو جو ہر قسم کے اخلاق مذمومہ کا حامل اور اخلاق کریمہ سے بالکل خالی ہو۔[2] اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ یَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»

''کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''[3]

عموماً احکام میں عورتیں مردوں کے تابع ہیں۔ یہاں الگ عورتوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہ مردوں کی نسبت ایک دوسرے کا زیادہ تمسخر اڑاتی ہیں۔[4]

[1] المصباح المنير، ص: 1303. [2] تفسير السعدي، ص: 945. [3] صحيح مسلم، البروالصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره...... حديث: 2564، وجامع الترمذي، البروالصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، حديث: 1927. [4] فتح القدير: 79/5.

68

فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۝﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو ایک ہی اصل اور جنس سے پیدا کیا ہے۔ تمام بنی آدم کو مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور وہ تمام خواتین و حضرات آدم اور حواء علیہما السلام ہی کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی نسل سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو پھیلایا، پھر انھیں قبیلوں اور گروہوں میں تقسیم کیا، یعنی چھوٹے بڑے قبیلوں میں تاکہ وہ ایک دوسرے کی پہچان رکھیں کیونکہ اگر ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت قائم

[1] الحجرات 13:49.

رکھے تو وہ تعارف حاصل نہیں ہوسکتا جس پر باہمی تعاون اور عزیز و اقارب کے حقوق کے قیام کا دارومدار ہے۔ یہ تقسیم صرف تعارف اور ایک دوسرے سے تعاون کے لیے ہے لیکن عزت کا معیار اللہ کے ہاں تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے اور یہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور معصیت سے باز رہنے والا ہے۔ اللہ کے حضور عزت و احترام کے معاملے میں کنبہ وقبیلہ اور حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور کون صرف ظاہر میں ڈرتا ہے، باطن میں نہیں ڈرتا، پس وہ ہر ایک کو ایسی جزا دے گا جس کا وہ مستحق ہے۔[1]

پس عزت و فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھاری قدر ومنزلت کا تفاوت تقویٰ کی بنا پر ہے حسب ونسب کی بنا پر نہیں ہے۔[2]

جو شخص اپنے آپ کو تقویٰ کے پاکیزہ لباس سے مزین کر لیتا ہے، وہ اس شخص سے زیادہ عزت وتوقیر کا مستحق ہے جو تقویٰ کے لباس سے عاری ہے، لہٰذا حسب ونسب کی بنا پر باہمی فخر وغرور ترک کردو کیونکہ یہ باعث عزت نہیں، نہ اس سے شرف وفضل ثابت ہوتا ہے۔[3]

عزت وفضیلت تقویٰ کی بنا پر ہے جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ ان میں سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان بھی ہے:

[1] تفسیر السعدي، ص: 946. [2] المصباح المنير، ص: 1305. [3] حسن الأسوة، ص: 167.

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

’’یقیناً اللہ تعالیٰ تمھاری صورتیں اور مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دل اور اعمال دیکھتا ہے۔‘‘[1]

اور آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون لوگ اللہ کے ہاں زیادہ معزز ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاهُمْ»

’’جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے، اللہ کے ہاں اتنا ہی زیادہ معزز ہے۔‘‘[2]

69

ظہار اور اس کا کفارہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ

[1] صحيح مسلم، البروالصلة، باب تحريم ظلم المسلم و خذله واحتقاره، حديث: 2564.
[2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ ......﴾، حديث: 4689.

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾

”(اے نبی!) اللہ نے اس عورت (خولہ بنت ثعلبہ) کی بات سن لی جو اپنے خاوند (اوس بن صامت) کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی اور وہ اللہ سے شکوہ کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ”ظِهَار“ کرتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا اور بے شک وہ ناگوار بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ (اس سے) باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگاتار روزے (رکھنے) ہیں، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص ہمت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔“[1]

یہ آیات کریمہ انصار کے ایک فرد کے بارے میں نازل ہوئیں جب اس نے اپنی بیوی کو طویل رفاقت اور اولاد ہونے کے بعد اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تو اس کی

[1] المجادلة 58:1-4.

بیوی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے حرمان نصیبی اور مصیبت کا شکوہ کیا اور شوہر کے خلاف مقدمہ لے کر عدالت نبوی میں حاضر ہوئی۔ اس کا شوہر بوڑھا شخص تھا، اس خاتون نے اپنی حالت اور شوہر کی حالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے شکوہ کیا اور بار بار کیا اور بڑی جرأت سے اس مقدمے کا اعادہ کیا۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں بڑی بابرکت ذات ہے باری تعالیٰ کی جس کی سماعت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔میں سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو سن رہی تھی جب وہ اپنے خاوند کی شکایت دربار رسالت مآب میں بیان کر رہی تھی۔لیکن اس کی گفتگو اس قدر دھیمی تھی کہ قریب ہونے کے باوجود کئی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ وہ کہہ رہی تھی، اللہ کے رسول ﷺ! وہ میرا مال کھا گیا، اس نے میری جوانی برباد کر دی۔ میں نے اس کے لیے اپنا پیٹ (بچے پیدا کر کے) خالی کر دیا۔ اب جب میں بوڑھی اور بانجھ ہوگئی تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا۔ (یہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق شمار ہوتی تھی۔) اے باری تعالیٰ میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابھی وہ وہیں تھی کہ جبرائیل امین ان آیات کی وحی لے کر نازل ہوئے:﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا ......﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے شوہر کا نام اوس بن صامت رضی اللہ عنہ تھا۔[2]

مسند احمد میں خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! سورۂ مجادلہ کا ابتدائیہ میرے اور اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا۔ وہ بیان

[1] تفسير السعدي، ص: 995. [2] تفسير الطبري: 12/3.

کرتی ہیں: میں ان کے نکاح میں تھی، وہ بوڑھے ہوگئے، (جس کی وجہ سے) ان کے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوگیا۔ وہ فرماتی ہیں: ایک روز وہ تشریف لائے، میں نے کسی بات پر انھیں جواب دیا تو گرمی سردی اور تُو تکار ہوگئی۔ انھیں غصہ آگیا۔ انھوں نے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، یعنی حرام ہے (حالانکہ وہ مجھے دل سے چاہتے تھے) تب انھوں نے مجھے (اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے) اپنے پاس بلایا۔ وہ فرماتی ہیں: میں نے کہا: ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خویلہ کی جان ہے! اب آپ اپنی بات (ظہار) کی وجہ سے اس وقت تک میرے قریب نہیں آسکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کردیں۔[1]

پھر وہ اپنے گھر سے نکلیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں اور سارا ماجرا سنایا، پھر یہ سارا واقعہ ہوا جس کا ذکر سطور بالا میں گزر چکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ ''جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں۔'' اس میں ظہار ''ظَهْرٌ'' سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرتا تھا تو وہ اس سے کہتا تھا: ''أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي'' ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔''

زمانۂ جاہلیت میں ظہار طلاق شمار ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمد ﷺ پر خصوصی رحمت فرمائی، اس معاملے میں کفارہ جاری فرمادیا اور اسے طلاق شمار نہیں کیا جیسا کہ جاہلیت میں اسے طلاق شمار کیا جاتا تھا۔[2]

[1] مسند أحمد: 410/6. [2] المصباح المنير، ص:1373.

اور یہ جو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ ''اور جو اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر انھوں نے جو کہا، اس سے رجوع کرلیں۔'' اس میں رجوع کرنے کے معنی و مفہوم میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ رجوع کا مطلب یہ ہے کہ جس عورت سے ظہار کیا تھا، اس سے جماع کا عزم کرلے تو یہ مجرد عزم ہی رجوع شمار ہوگا کیونکہ مجرد عزم کرنے والے پر مذکورہ کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ بیوی کو چھونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ صرف عزم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے معنی حقیقی جماع کے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا﴾ ''پھر وہ اپنی بات سے رجوع کرلیں۔'' اور جو بات انھوں نے کہی، وہ درحقیقت جماع (کو اپنے اوپر حرام کرنا) ہے۔ بہرحال دونوں اقوال میں سے ہر ایک کے مطابق جب بھی رجوع کیا جائے گا تو بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلینے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور وہ کفارہ ہے: ایک ایسے غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا جو مومن ہو اور ان عیوب سے سلامت ہو جو کام کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ ''اس سے پہلے کہ وہ دونوں ہم بستری کریں۔'' یعنی ظہار کرنے والے شوہر پر لازم ہے کہ غلام یا لونڈی کی آزادی کی شکل میں کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع نہ کرے۔ ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یعنی یہ حکم جو ہم نے تمھارے لیے دیا ہے ﴿تُوْعَظُوْنَ بِهٖ﴾ اس کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے، یعنی وہ تمھارے لیے ترہیبی حکم بیان کرتا ہے کیونکہ وعظ کے معنی ہی ترغیب و ترہیب سے حکم بیان کرنا ہے،

پس جو شخص ظہار کا ارادہ کرتا ہے تو اسے یاد آجاتا ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو اسے ایک غلام آزاد کرنا پڑے گا، چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز آجاتا ہے۔[1]

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تمھارے عملوں سے پوری طرح باخبر ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز تمھارے لیے موزوں ہے، اس سے پوری طرح باخبر ہے اور ساتھ ساتھ اسے تمھارے احوال کا بھی بخوبی علم ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ پس جس کے پاس آزاد کرنے کے لیے غلام نہ ہو یا اس کے پاس غلام کی قیمت نہ ہو کہ خرید کر آزاد کر سکے تو اس کے ذمے دو ماہ کے متواتر روزے ہیں۔ درمیان میں کوئی روزہ نہ چھوڑے۔ اگر اس نے کوئی روزہ بغیر عذر کے افطار کر لیا تو اسے نئے سرے سے دوبارہ دو ماہ کی گنتی پوری کرنی ہوگی۔ اور اگر کسی شرعی عذر، بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے کسی دن کوئی درمیانی روزہ افطار کر لیا تو پہلی تعداد کو بنیاد بناتے ہوئے باقی ایام کے روزے پورے کرنے ہوں گے، یعنی اسے نئے سرے سے روزے شروع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس دوران میں اس نے بھول کر یا عمداً دن یا رات کے کسی حصے میں بیوی سے جماع کر لیا تو اسے نئے سرے سے کفارے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔[3]

اور جس میں روزے رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ اپنے شہر کی مروجہ خوراک کے مطابق ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے جو انھیں کافی ہو جائے یا پھر ہر ایک مسکین کو ایک مد گیہوں دے دے یا دیگر اجناس میں سے دینا چاہے تو ہر مسکین کو نصف

[1] تفسير السعدي، ص: 996. [2] المصباح المنير، ص: 1374. [3] حسن الأسوة، ص:171.

صاع دے۔[1]

آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اتنا کھلائے کہ وہ ایک دفعہ سیر ہو جائیں یا اتنا دے دے جو ایک دفعہ ان کی بھوک ختم کر دے۔ ضروری نہیں ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو اکٹھا ہی کھلائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ اکٹھا کھلا دے یا وقفے سے کھلائے، مثلاً: تیس مسکینوں کو ایک دن کھلا دے اور تیس دیگر مسکینوں کو کسی اور دن کھلا دے۔[2]

ان آیات میں متعدد احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے مصیبت زدہ عورت کی شکایت کا تذکرہ فرما کر نہ صرف اس کی مصیبت کا ازالہ کیا بلکہ اپنے حکم عام کے ذریعے سے ایسی مصیبت میں مبتلا ہونے والے ہر شخص کی مصیبت رفع کر دی۔

② ظہار بیوی کو حرام ٹھہرانے کے ساتھ مختص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مِّنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ اپنی عورتوں میں سے اگر وہ اپنی لونڈی کو اپنے اوپر حرام ٹھہراتا ہے تو یہ ظہار شمار نہ ہوگا بلکہ یہ عمل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص اپنے اوپر کھانے پینے کی کوئی پاکیزہ چیز حرام ٹھہرا لے۔ اس میں صرف قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

③ کسی عورت سے نکاح کرنے سے پہلے اس سے ظہار درست نہیں کیونکہ ظہار کے وقت وہ اس کی بیویوں میں داخل نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص نکاح سے قبل ہی کسی عورت کو طلاق دے دے تو وہ معتبر نہیں یا یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق ہے تو یہ طلاق نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح نکاح سے قبل ظہار بھی

[1] تفسير السعدي، ص: 844. [2] حسن الأسوة، ص:171.

معتبر نہیں ہوگا۔

④ ظہار حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے منکر کہا ہے۔

⑤ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقصد اور اس کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ﴾ ”وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔“

⑥ ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو محارم کے نام سے پکارنا مکروہ ہے، مثلاً: اے میری ماں! اے میری بہن! وغیرہ کیونکہ یہ بات محرمات سے مشابہت رکھتی ہے۔

⑦ کفارہ مجرد ظہار سے واجب نہیں ہوتا بلکہ سابقہ دونوں اقوال کے اختلاف کے مطابق ظہار کرنے والے کے رجوع سے ثابت ہوتا ہے۔

⑧ چھوٹے یا بڑے غلام یا لونڈی کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہوجاتا ہے کیونکہ آیت میں مطلق رقبہ (گردن) آزاد کرنے کا حکم ہے۔

⑨ اگر کفارہ غلام آزاد کرنے یا روزے رکھنے کی صورت میں ادا کرنا ہو تو جماع سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقید ذکر کیا ہے (اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے دوران میں جماع صراحتاً منع نہیں ہے)۔

⑩ جماع سے پہلے کفارہ ادا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے ادائے کفارہ کی زیادہ ترغیب ملتی ہے کیونکہ جماع کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے تو وہ کفارہ ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔[1]

[1] تفسير السعدي، ص: 996.

70

مہاجر عورتوں سے امتحان اور ان سے نکاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ○﴾

”اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں اور تم ان (کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں قبضے میں نہ رکھو

اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے اور اگر کوئی تمھاری بیویاں تم سے کفار کی طرف چلی جائیں، پھر تم (کفار سے) لڑو (اور غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس (مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''[1]

ان آیات کی شان نزول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ کفار میں سے جو کوئی مسلمان ہوکر مسلمانوں کے پاس (مدینہ) جائے گا، وہ مشرکین کو واپس کردیا جائے گا، یہ عام اور مطلق لفظ تھا جس میں مرد اور عورتیں سبھی شامل تھے۔ مردوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ایفائے شرط اور معاہدۂ صلح پورا کرنے کے لیے کفار کی طرف لوٹانے سے اپنے رسول ﷺ کو منع نہیں کیا جو سب سے بڑی مصلحت تھی۔ رہی عورتیں تو انھیں لوٹانے میں بہت سے مفاسد تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ جب مومن عورتیں تمھارے پاس ہجرت کرکے آئیں اور تمھیں ان کے ایمان کی صداقت میں شک ہو تو کسی مناسب طریقے سے ان کی جانچ پڑتال کرلیا کرو تاکہ ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوجائے۔[2]

اگر ان کے ایمان کی صداقت ظاہر ہوجائے تو انھیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ یہ ان کے لیے اور نہ وہ کافر ان کے لیے حلال ہیں۔

(1) الممتحنة 60:10,11. (2) تفسیر السعدي، ص: 1011.

امام زہری ؒ سے مروی ہے کہ یہ آیات حدیبیہ کے زیریں علاقے میں اس وقت نازل ہوئیں جب آپ ﷺ نے مشرکین مکہ سے اس شرط پر صلح کا معاہدہ کیا کہ جو مشرک مسلمان ہوکر مدینہ آئے گا، اسے مشرکین ہی کے حوالے کردیا جائے۔ جب (دوران معاہدہ یا تکمیل معاہدہ کے بعد) عورتیں آئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے خاوندوں کو ان کے حق مہر واپس کردو۔ اور مشرکین کو بھی حکم دیا کہ اگر کوئی مسلمان خاتون ان کے پاس چلی جاتی ہے تو وہ بھی اس خاتون کے شوہر کو اس کا حق مہر ادا کریں۔[1]

کہا گیا ہے کہ یہ آیت سنت کی تخصیص کرتی ہے اور یہ اس باب کی بڑی عمدہ مثال ہے کہ بسا اوقات آیت سے بھی سنت کی تخصیص ہوجاتی ہے۔ بعض سلف اسے ناسخ و منسوخ کے باب سے شمار کرتے ہیں۔[2]

ان ہجرت کرکے آنے والی خواتین کی جانچ پڑتال کا مطلب یہ ہے کہ وہ یقین کامل کے ساتھ اس بات کی گواہی دینے والی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) الٰہ نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔[3]

مجاہد ؒ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پوچھو کہ وہ کیوں آئی ہیں؟ اگر ان کے آنے کا سبب خاوندوں سے ناراضی یا غصہ وغیرہ ہو اور وہ ایمان نہ لائیں تو انھیں ان کے خاوندوں کی طرف واپس کردو۔[4]

لیکن اگر جانچ پڑتال اور امتحان کے بعد ان کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان

(1) المصباح المنیر، ص: 1395. (2) المصباح المنیر، ص: 1395. (3) المصباح المنیر، ص: 1395. (4) تفسیر الطبري: 64/12.

لائیں تو اس صورت میں انھیں ہرگز کافروں کے حوالے نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا بہت بڑے مفاسد کا باعث ہے جس کا شارع نے خیال رکھا ہے کہ ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ یہی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں اور مشرکوں کے لیے حلال نہیں ہیں بلکہ ان کا ان کے ساتھ نکاح حرام ہے۔[1]

اس کے باوجود شارع نے صلح کی شرائط کی پاسداری کا خیال رکھا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہجرت کر کے آنے والی خواتین کے کافر خاوندوں کو ان کے حق مہر اور دیگر اخراجات واپس کریں تا کہ ان کے نقصان کی تلافی ہو۔ ان کے سابقہ خاوندوں کو حق مہر واپس کرنے کے بعد مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان سے نکاح کر لیں، چاہے ان کے کافر خاوند زندہ سلامت موجود ہوں مگر اس میں شرط یہی ہے کہ وہ ان عورتوں کو حق مہر اور دیگر اخراجات ادا کریں۔

جس طرح مسلمان عورت کافر کے لیے حلال نہیں ہے، بعینہٖ کافر عورت بھی مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے کفر پر قائم ہے، البتہ کتابیہ عورت، یعنی یہودی یا عیسائی اس امر سے مستثنیٰ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ ”اور تم کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو۔“ جب اللہ تعالیٰ نے قدیم نکاح برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دی تو نکاح کی ابتدا تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہے۔ ﴿وَسْـَٔلُوا مَآ اَنْفَقْتُمْ﴾ ”اور جو تم نے خرچ کیا ہے، ان سے مانگ لو۔“ یعنی اے مومنو! اگر تمھاری بیویاں مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائیں تو تم بھی ان کفار سے اپنے خرچ کا مطالبہ کر سکتے ہو۔ جب کفار اپنی ان عورتوں کو دیا ہوا مہر وصول کر سکتے

1 المصباح المنير، ص: 1394.

ہیں جو مسلمان ہو گئی ہوں تو ٹھیک اسی طرح مسلمان بھی وہ مہر وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں جو ان کی مرتد بیویوں کے ساتھ کفار کے پاس گیا ہے۔[1]

اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ کے بارے میں امام مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان کافروں کے بارے میں ہے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ وغیرہ نہ ہو اور کوئی عورت مرتد ہو کر ان کے پاس چلی جائے اور وہ اس کے خاوند کو کچھ نہ دیں تو جب ان کی کوئی خاتون مسلمانوں کے پاس آجائے تو اس کے کافر خاوند کو بھی کچھ نہ دیا جائے، تاوقتیکہ وہ اس مسلمان کو اس کا حق دیں جس کی بیوی مرتد ہو کر ان کے پاس جا چکی ہے۔

ابن جریر نے امام زہری رحمہ اللہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ”مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کیا اور اس کی تعمیل میں مشرکین کو وہ تمام اخراجات واپس کیے جو انھوں نے اپنی مسلمان ہونے والی بیویوں پر کیے تھے جبکہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور ان کے ذمے مسلمانوں کے جو اموال تھے، جو مرتد عورتیں لے گئی تھیں، واپس نہ کیے۔“[2] اس پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے فرمایا: ﴿فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا﴾ ”تو تم (مال غنیمت میں سے) انھیں جن کی بیویاں چلی گئی ہیں، اتنا مال دے دو جتنا انھوں نے خرچ کیا۔“ پس مسلمانوں میں سے جس کی بیوی مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے اور مہر بھی واپس نہ کرے اور نہ وہ کافر اس کا مہر اور دیگر اخراجات واپس کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے اس کے بدلے میں مال غنیمت میں سے دے دیں جو اس نے خرچ کیا ہے۔[3]

1 تفسير السعدي، ص: 1011. 2 المصباح المنير، ص: 1395. 3 تفسير السعدي، ص: 1011.

عورتوں سے بیعت اور اس کے ارکان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ﴾

’’اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے (ان امور پر) بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں۔‘‘[1]

مندرجہ بالا آیت میں عورتوں سے بیعت لیتے وقت جن امور کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بیعت کے بنیادی ارکان

[1] الممتحنة 12:60.

بتائے گئے ہیں۔

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے مندرجہ بالا آیت کے ذریعے بیعت لیتے تھے۔ عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو مومن عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی، رسول اللہ ﷺ اس سے فرماتے:

«قَدْ بَايَعْتُكِ» كَلَامًا، وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ، مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ: «قَدْ بَايَعْتُكِ عَلٰى ذٰلِكَ»

’’میں نے تیری بیعت لے لی۔‘‘ اور ایسا صرف زبان سے فرماتے۔ اللہ کی قسم! آپ کے ہاتھ نے بوقت بیعت کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ صرف اپنی زبان سے اس طرح بیعت لیتے تھے: ’’میں نے اس پر تیری بیعت لے لی۔‘‘[1]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت کریمہ میں مذکور شرائط ’’عورتوں کی بیعت‘‘ کے نام سے موسوم ہیں جو ان مشترکہ واجبات کی ادائیگی پر بیعت کرتی تھیں جو تمام اوقات میں مردوں اور عورتوں پر واجب ہیں...... اللہ تعالیٰ نبیِ اکرم ﷺ کو جو حکم دیتا، آپ اسے بجا لاتے، لہٰذا جب عورتیں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوتیں اور ان مذکورہ شرائط کا التزام کرتیں تو آپ ﷺ ان سے بیعت لے لیا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ ان کی دلجوئی کرتے، ان امور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بخشش طلب کرتے جن میں ان سے کوتاہی واقع ہوتی اور انھیں جملہ مومنین میں ان شرائط کے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ﴾، حديث: 4891.

ساتھ شامل فرماتے۔ [1]

① وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی بلکہ اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق سمجھیں گی۔

② وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، یعنی اولاد کے پیدا ہونے کے بعد انھیں قتل یا زندہ درگور کریں گی نہ جنین (پیٹ کے بچے) کو ضائع کریں گی۔

③ وہ چوری نہیں کریں گی۔اس پر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی: اللہ کے رسول! ابوسفیان نہایت کم خرچ دینے والے آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو۔ اگر میں اس کے علم میں لائے بغیر کچھ لے لوں تو کوئی گناہ تو نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خُذِي مِنْ مَّالِهِ بِالْمَعْرُوفِ، مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ»

''دستور کے مطابق جتنا تمھیں اور تمھارے بچوں کو کافی ہو (اس کے علم میں لائے بغیر) لے لو۔'' [2]

④ اور وہ زنا نہیں کریں گی جیسا کہ پیشہ ور اور یاری دوستی رکھنے والی خواتین میں یہ فعل عام تھا۔

⑤ وہ کوئی بہتان نہیں لگائیں گی۔ بہتان سے مراد کسی غیر پر افترا پردازی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ (بدکاری کرکے) اپنے خاوندوں کی اولاد میں کسی اور کی اولاد شامل نہیں کریں گی۔ [3]

[1] تفسير السعدي، ص: 1011. [2] صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه......، حديث: 5364، و صحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، حديث: 1714. [3] المصباح المنير، ص: 1396، وتفسير الطبري: 73/12.

⑥ وہ کسی بھی نیک کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گی، یعنی آپ انھیں جس بات کا بھی حکم دیں، آپ کی فرماں برداری کریں گی، نافرمانی نہیں کریں گی کیونکہ آپ کا ہر حکم معروف کے مطابق ہی ہوگا۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ نوحہ کرنے، گریبان چاک کرنے، چہرہ نوچنے اور جاہلیت کی صدائیں لگانے کی ممانعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی کریں گی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت: ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف عورتوں ہی سے لگائی ہے۔ [1] اور معروف میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، لوگوں سے حسن سلوک اور اللہ تعالیٰ کی منع کردہ اشیاء سے باز رہنا سبھی امور داخل ہیں۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَبَايِعْهُنَّ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان مذکورہ احکام کی تکمیل کا التزام کریں تو ان سے بیعت لیجیے اور ان کی دلجمعی کے لیے ان کی کوتاہی کی اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو بہت کثرت سے بخشنے والا اور گناہ گار تائبین پر احسان فرمانے والا ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ فگن ہے اور اس کا احسان تمام مخلوقات پر چھایا ہوا ہے۔ [3]

یہ بیعت کتاب و سنت سے ثابت ہے جس کے لینے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درج بالا آیت میں دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقے سے اس کی عملی صورت بھی بیان فرمادی، پس آپ نے عورتوں سے بیعت لی جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت

[1] المصباح المنير، ص: 1396، وصحيح البخاري، التفسير، باب ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ﴾، حديث: 4893. [2] حسن الأسوة، ص: 174. [3] تفسير السعدي، ص: 1011.

موجود ہے جن میں سے بعض احادیث مذکورہ آیات کی تفسیر میں گزر چکی ہیں، اس لیے جس نے اس بیعت کا انکار کیا، وہ درحقیقت کتاب وسنت کا منکر ہے۔

72

بعض بیوی بچے دشمن! کیسے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ○﴾

''اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو۔ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔ بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔''[1]

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے دھوکا نہ کھائیں کیونکہ ان میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں۔ دشمن وہ ہوتا ہے جو تمھارے خلاف شر اور برائی کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور تمھاری ذمے داری یہ ہے کہ ایسے شخص سے بچو جس کی یہ صفات ہوں۔ بیویوں اور اولاد کی محبت انسانی جبلت

[1] التغابن 64:14،15.

اور فطرت میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی ایسی محبت کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے کہ ان کی یہ محبت انھیں بیویوں اور اولاد کے سامنے اس قدر بے بس نہ کر دے کہ وہ ان کے جائز و ناجائز ہر مطالبے تسلیم ہی کرتے چلے جائیں حتی کہ شرعی ممانعت کا بھی پاس لحاظ نہ رکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اس کے اوامر کی تعمیل اور ثواب عظیم کے لیے اس کی رضا مقدم رکھیں جو بلند مطالب اور عالی قدر محبت پر مشتمل ہے اور اس امر کی ترغیب دی ہے کہ وہ آخرت کو ختم ہو جانے والی فانی دنیا پر ترجیح دیں۔

جب ناروا امور میں بیویوں اور اولاد کی اطاعت سے روکا گیا اور ان باتوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں بندے کے لیے ضرر ہے تو اس سے بیویوں اور اولاد کے بارے میں سختی کا شبہ پیدا ہوتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے بچنے اور ان کے ساتھ عفو و درگزر کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں بہت سے مصالح ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○﴾ ''اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔'' کیونکہ عمل کی جزا اس کی جنس ہی سے ہوتی ہے۔[1]

ان آیات میں بیویوں اور اولاد کے فتنے سے متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ دونوں انسان کو عمل صالح سے غافل کر دیتے ہیں۔ اور اپنے دین کے بارے میں ان کے فتنے سے بچنے کی تاکید اس لیے کی کہ وہ دونوں قطع رحمی اور اپنے رب کی معصیت پر

[1] تفسير السعدي، ص: 1023.

ابھارتے ہیں اور انسان چاروناچار ان کی محبت کی وجہ سے ان کی بات ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت مکہ کے چند افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام لائے، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ان کی بیویوں اور اولاد نے انھیں روکے رکھا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ لوگ خاصا اسلام سیکھ چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی بیویوں اور اولاد کو سزا دینا چاہی۔[2] تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ ''اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔'' پس جو کوئی معاف کردے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتا ہے، جو کوئی درگزر کرے، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرتا ہے اور جو کوئی بخش دے، اللہ تعالیٰ اسے بخشنے والا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے بندوں کے لیے اولاد اور مال کو فتنہ، یعنی امتحان اور آزمائش کا سبب بنایا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کی اطاعت کرتا ہے۔[4] اور کون مال اور اولاد کی خاطر اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتا ہے۔ (اور فرماں برداری کرنے والوں کے لیے) اللہ کے پاس روز قیامت بہت بڑا اجر، لامتناہی ثواب اور بدلہ ہے۔

(1) المصباح المنير، ص: 1412. (2) المصباح المنير، ص: 1412. (3) تفسير السعدي، ص: 1023. (4) المصباح المنير، ص: 1412.

73

آغازِ عدت میں طلاق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾

''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں ان کی عدت کے (آغاز کے) وقت میں طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اور اللہ سے جو تمھارا رب ہے، ڈرو۔ تم انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے خود پر ظلم کیا۔ (اے مخاطب!) تو نہیں جانتا، شاید اللہ اس (طلاق) کے بعد کوئی نئی راہ نکال دے۔ پھر جب وہ اپنی عدت (ختم ہونے) کو پہنچیں تو تم انھیں معروف طریقے سے روک لو یا انھیں معروف طریقے سے جدا کر دو اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے

گواہی قائم کرو۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا ہے اور خطاب میں نبیٔ اکرم ﷺ کو عزت وشرف اور عظمت کی بنا پر مقدم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اس کے لیے شرعی آداب ملحوظ رکھو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جونہی کوئی سبب بنا فوراً طلاق دے دی بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انھیں ان کے آغاز عدت میں طلاق دو، یعنی انھیں ان کی عدت کے لیے طلاق دو، وہ اس طرح کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے طاہر ہونے کی حالت میں اور اس طہر میں مجامعت کیے بغیر طلاق دے۔ یہی وہ طلاق ہے جس میں عدت واضح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی گئی تو وہ اس حیض کے دورانیے کو شمار نہیں کرے گی جس کے دوران طلاق ہوئی ہے، نتیجتاً اس کی عدت کا دورانیہ طویل ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر شوہر نے ایسے طہر میں طلاق دی جس میں اس نے مجامعت کی ہو تو اس صورت میں عورت حمل سے مامون نہ ہوگی، لہٰذا یہ واضح نہ ہوگا کہ وہ کون سی عدت شمار کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عدت شمار کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی اگر اسے حیض آتا ہے تو حیض کے ذریعے سے شمار کرے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو اور وہ حاملہ بھی نہ ہو تو اس کی عدت مہینوں کے ساتھ شمار کی جائے گی۔

عدت شمار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حقوق، طلاق دینے والے شوہر کے حقوق اور بعد میں نکاح کرنے والے شوہر کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے، نیز اس میں مطلقہ کے

[1] الطلاق 2,1:65.

نان ونفقہ کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔ جب عدت کو ضبط میں لایا جائے گا تو اس (کے حمل یا حیض وغیرہ) کا حال واضح طور پر معلوم ہوگا اور اس عدت پر مرتب ہونے والے حقوق معلوم ہوں گے، عدت شمار کرنے کے حکم کا رخ شوہر اور بیوی کی طرف ہے، بشرطیکہ بیوی مکلّف ہو ورنہ اس کے سرپرست کی طرف ہے۔[1]

عدت شمار کرنا، اس کی حفاظت کرنا، اس کی ابتدا وانتہا کی معرفت رکھنا شارع کا حکم ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت پر عدت کا دورانیہ طویل نہ ہو جائے اور آگے شادی کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔

طلاق رجعی میں دوران عدت، عورت کا نفقہ اور رہائش مرد کے ذمے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ عدت رجعیہ کے دوران میں عورتوں کو گھر سے نہ نکالیں کیونکہ رہائش اور نان ونفقہ اس کا حق ہے، اس لیے مرد کے لیے اسے نکالنا جائز نہیں، نہ عورت کے لیے ازخود نکلنا جائز ہے۔[2]

طلاق رجعی کی صورت میں عدت پوری ہونے تک عورت کے لیے اسی گھر میں رہنا ضروری ہے جس میں شوہر نے اسے طلاق دی ہے۔ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ بیوی کو گھر فراہم کرنا شوہر پر واجب ہے تاکہ وہ اس گھر میں رہ کر عدت پوری کر سکے جو شوہر کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔ اور مطلقہ بیوی کے گھر سے ازخود نکلنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ اس کا گھر سے نکلنا شوہر کا حق ضائع کرنا اور اس کی عدم حفاظت ہے۔ طلاق یافتہ عورتوں کا خود گھر سے نہ نکلنے یا انھیں نہ نکالنے کا حکم عدت پوری ہونے تک مؤثر رہے گا۔[3]

[1] تفسير السعدي، ص: 1025. [2] المصباح المنير، ص: 1413. [3] تفسير السعدي، ص: 1025.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ ”مگر یہ کہ وہ صریح بے حیائی کریں۔“ کا مطلب یہ ہے کہ طلاق یافتہ عورت کو گھر سے نہ نکالا جائے۔ ہاں! اگر وہ کھلے عام برائی کا ارتکاب کرتی ہے، یعنی بدکاری وغیرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو پھر اسے نکالا جا سکتا ہے۔[1] یا کوئی واضح طور پر قبیح فعل سرزد ہو جو اسے گھر سے نکالنے کا موجب ہو اور اس کے نہ نکالنے سے گھر والوں کو ضرر پہنچتا ہو، مثلاً: فحش اقوال اور افعال وغیرہ سے اذیت دیتی ہو تو اس صورت میں مطلقہ کو گھر سے نکال دینا گھر والوں کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ خود اپنے آپ کو گھر سے بے دخل کرنے کا سبب بنی ہے، حالانکہ اسے رہائش مہیا کرنا اس کی دلجوئی کے لیے ہے جو درحقیقت اس کے ساتھ نرمی اور نوازش کا برتاؤ ہے۔ لیکن جب وہ ازخود ہی اپنے ضرر کا سبب بنی ہے تو کسی دوسرے کا کیا قصور!

یہ سارے احکام اس صورت میں ہیں جب طلاق رجعی ہو۔ جب طلاق بتہ ہو (جس کے بعد رجوع ممکن نہیں ہوتا) تو اسے سکونت فراہم کرنا واجب نہیں کیونکہ رہائش نان ونفقہ کے تابع ہے اور نان ونفقہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جسے رجعی طلاق دی گئی ہو۔ جسے طلاق بائنہ ہو جائے، اس کے لیے نان ونفقہ نہیں ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ”یہ اللہ کی حدیں ہیں۔“ یعنی اس کے ضابطے، قاعدے اور قوانین ہیں جنھیں اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر کے مشروع کیا ہے اور انھیں ان حدود کے احترام والتزام کا حکم دیا ہے۔[3]

[1] المصباح المنير، ص: 1413. [2] تفسير السعدي، ص: 1026,1025. [3] تفسير السعدي، ◄◄

﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ ”اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے۔“ یعنی ان سے نکل جائے اور انھیں پامال کر کے اللہ کے اس حکم کا اپنے آپ کو پابند نہ بنائے۔[1] ﴿ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ ”تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔“ یعنی اس نے اپنا حق گھٹا لیا اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود، جن میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے، کی اتباع میں سے اپنا حصہ خود ہی تلف کر دیا۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کی مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ ﴾ ”تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے۔“ یعنی ہم نے مطلقہ کو عدت کے دوران میں اس کے شوہر کے گھر میں اس لیے مقیم رکھا کہ شاید شوہر کو طلاق دینے پر ندامت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں رجوع کی تمنا پیدا کر دے تو اس طرح یہ زیادہ آسان اور سہل ہوگا۔[3]

اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ عدت مدت انتظار ہے جس سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کیا مطلقہ کا رحم شوہر کے نطفے سے خالی ہے؟

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جب عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو شوہر کو چاہیے کہ اگر وہ اسے اپنے عقد میں رکھنا چاہتا ہے تو حسن معاشرت اور صحبت جمیلہ کی غایت سے اسے روک لے، بصورت دیگر دستور کے مطابق لڑائی جھگڑا کیے بغیر شائستگی سے رخصت کر دے۔ دونوں صورتوں میں دو مسلمان عادل مردوں کو گواہ بنا لینا چاہیے

◄◄ ص: 1026. [1] المصباح المنير، ص: 1413. [2] تفسير السعدي، ص: 1026. [3] المصباح المنير، ص: 1413.

کیونکہ یہ گواہی مخاصمت کا سدباب بھی ہے اور دونوں کی طرف سے ایسے امور کی پوشیدگی کا تدارک بھی جنھیں بیان کرنا ضروری ہے۔[1]

گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ رشتے داری اور دوستی کا لحاظ کیے بغیر کسی کمی و بیشی کی بالکل اسی طرح گواہی دیں جیسا کہ وہ فی الحقیقت ہے اور وہ اس معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھیں اور ان احکام و حدود کا جن کی اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے، صرف وہی شخص التزام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور اپنی آخرت کے لیے ان اعمال صالح کا توشہ آگے بھیجتا ہے جو اسے کل نفع دیں۔ چونکہ طلاق بسا اوقات تنگی، کرب اور غم میں مبتلا کر دیتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تقوے کا حکم دیا ہے۔ اور جو شخص تمام معاملات میں تقوے پر مبنی رویہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور رنج وغم سے نجات کا راستہ نکال دیتا ہے۔[2]

74

حیض سے مایوس اور حاملہ عورتوں کی عدت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

[1] تفسير السعدي، ص: 1026. [2] تفسير السعدي، ص: 1026.

ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''اور وہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں تمھاری (طلاق یافتہ) عورتوں میں سے، اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور (اسی طرح) ان کی بھی جنھیں (ابھی) حیض نہیں آیا۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔''[1]

مذکورہ آیت کریمہ میں حاملہ، بانجھ اور جس عورت کو تاحال حیض نہیں آیا، تینوں کی عدت کی وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیسہ، جس کا حیض بڑھاپے کی وجہ سے منقطع ہو جائے، کی عدت کا ذکر کیا ہے کہ وہ تین ماہ ہے کیونکہ حائضہ کے لیے عدت تین طہر تھی، اس لیے آیسہ کے لیے اس کے بدلے میں تین ماہ قرار دی گئی جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے جنھیں ابھی تک حیض نہ آیا ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ﴾

''اور وہ جنھیں ابھی تک حیض نہیں آیا۔''

اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

① پہلا قول امام مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر کئی ایک سلف کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خون دیکھو اور تمھیں شک ہو کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اور تم اس کے درمیان تفریق نہ کر سکو۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ اگر تمھیں ان کی عدت کے حکم میں شک ہو اور تمھیں معلوم

[1] الطلاق 4:65.

بھی نہ ہو کہ ان کی عدت کیا ہے تو پھر ان کی عدت تین ماہ ہے۔ یہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے جسے ابن جریر رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اور معنی کے لحاظ سے یہی زیادہ واضح ہے۔[1]

ابن جریر نے اپنے موقف کی تائید کے لیے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی دلیل بنایا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کئی عورتوں کی عدت قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہے، مثلاً: غیر بالغہ، بوڑھی اور حاملہ۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورتوں کی عدت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یعنی جو حاملہ ہے اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ طلاق کے بعد والی عدت ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر خاوند کی وفات کے چند لمحے بعد ہی ولادت ہوجائے تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل کے وقت ہی ختم ہوجائے گی جیسا کہ اس آیت کریمہ اور اس موضوع پر وارد احادیث سے ثابت ہے۔[3]

ابوسلمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ اس نے کہا: مجھے بتائیے کہ اس عورت کی عدت کیا ہے جس کے ہاں خاوند کی وفات کے چالیس روز بعد بچے کی ولادت ہوجائے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دونوں عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضع حمل) میں سے جو بھی دیر سے ختم ہو۔ میں نے کہا: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ

[1] المصباح المنير، ص: 1415. [2] تفسير الطبري: 133/12. [3] المصباح المنير، ص: 1416.

اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ کی رو سے تو میرے خیال کے مطابق حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس معاملے میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کے ساتھ ہوں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو انھوں نے کہا: سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کا خاوند قتل ہوا تو وہ حاملہ تھیں، چالیس روز بعد ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوگئی۔ انھیں کئی لوگوں کی طرف سے شادی کے پیغامات آئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح کردیا۔ اور انھیں نکاح کا پیغام بھیجنے والوں میں ابوسنابل بھی شامل تھے۔[1]

اس واقعہ سے مذکورہ عنوان میں عورتوں کی عدت واضح ہوجاتی ہے۔

75

مطلقہ عورتوں کے نان ونفقہ اور بچے کو دودھ پلانے کا معاملہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ......﴾، حديث: 4909.

تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝﴾

''تم انھیں رکھو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انھیں تنگ کرنے کے لیے انھیں تکلیف نہ دو۔ اور اگر وہ (طلاق یافتہ) حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک تم ان پر خرچ کرو، پھر اگر وہ (بچے کو) تمھارے لیے دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دو اور (یہ) آپس میں دستور کے مطابق مشورے سے (طے) کرو اور اگر تم باہم ضد کرو تو اسے کوئی اور عورت دودھ پلائے۔ چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس کے لیے اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اسے اللہ نے دیا۔ اللہ کسی شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے دیا۔ اللہ تنگی کے بعد جلد آسانی فرما دے گا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے جب مطلقہ عورتوں کو گھروں سے نکالنے سے منع فرمایا تو ان آیات میں ان کے لیے رہائش کا حسب استطاعت اہتمام کرنا بھی خاوندوں کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے۔ اس سے مراد ایسا گھر ہے جس میں شوہر کی تونگری یا عسرت کے مطابق ان دونوں کے ہم مرتبہ لوگ رہتے ہوں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے طلاق یافتہ عورتوں پر تنگی کرنے اور انھیں اذیت دینے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ ''اور نہ تکلیف دو تم

① الطلاق 7,6:65. ② تفسیر السعدي، ص: 1027.

انھیں کہ تنگی کرو ان پر۔'' مقاتل بن حیان اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند اسے اس قدر پریشان نہ کرے کہ وہ فدیہ دے کر جان چھڑانے پر مجبور ہو جائے یا اس کی جائے رہائش ہی سے نکلنے پر مجبور ہو جائے۔[1] یعنی ان کی سکونت کے دوران میں انھیں اپنے قول اور فعل سے اس قدر اذیت نہ پہنچاؤ کہ وہ مجبور ہو کر عدت پوری ہونے سے پہلے ہی گھروں سے نکل جائیں۔ اس صورت میں تم انھیں اپنے گھروں سے نکالنے والے شمار ہو گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقات کو گھروں سے نکالنے سے روکا ہے اور مطلقات کو ازخود بھی گھروں سے نکلنے سے منع کیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح سکونت فراہم کرنے کا حکم دیا ہے کہ مطلقات کو کوئی ضرر اور مشقت و پریشانی لاحق نہ ہو۔ اور اس میں عرف کا اعتبار ہو گا۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ مطلقہ بائنہ کے بارے میں ہے کہ اگر وہ حاملہ ہو تو شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وضع حمل تک اسے خرچہ دے۔ اس آیت کا مطلقہ بائنہ کے لیے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ کے لیے تو بہر صورت چاہے حاملہ ہو یا نہ ہو، خرچہ دینا واجب ہے تو یہ آیت پھر مطلقہ بائنہ ہی کا حکم واضح کر رہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ''پس اگر وہ بچے کو تمھارے کہنے سے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو۔'' یعنی حاملہ اگر مطلقہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے ختم ہو جائے گی اور وہ عدت کے ختم ہونے پر آزاد

① المصباح المنیر، ص: 1416. ② تفسیر السعدي،ص: 1027.

ہے۔ اور اسے اختیار ہے کہ بچے کو دودھ پلائے یا انکار کردے، تاہم اسے لِبا، یعنی ابتدائی دودھ ضرور پلانا چاہیے کیونکہ عموماً بچہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس وقت اس کی خوراک کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر وہ دودھ پلاتی ہے تو اس کی مزدوری لینے کی مستحق ہے اور اسے چاہیے کہ بچے کے باپ یا ولی سے اجرت طے کرلے اور جس معاوضے پر دونوں فریق راضی ہوں، معاملہ کرلیں۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ﴾ یعنی تمھارے باہمی اُمور دستور کے مطابق ایک دوسرے کو کوئی تکلیف اور نقصان پہنچائے بغیر انجام پانے چاہئیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾

''نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تنگ کیا جائے۔''[2]

آیت میں لفظ ''اِئْتِمَارٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور تقوے کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ اتمام عدت پر، مفارقت کے وقت شوہر اور بیوی کے درمیان، خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ ان دونوں کا مشترکہ بچہ بھی ہو، بیوی اور بچے کے نفقے کے بارے میں عموماً جھگڑا ہوجاتا ہے۔ اکثر و بیشتر جدائی بغض و عداوت اور کینے کے ساتھ ہی ہوتی ہے، یہ خوش آئند حالت نہیں ہے۔ اس سے کئی چیزیں متاثر ہوتی ہیں، اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے نیکی، حسن معاشرت، عدم مشقت اور رواداری کا حکم دیا جائے اور ان امور میں

[1] المصباح المنير، ص: 1417,1416. [2] المصباح المنير، ص: 1417.

خیر خواہی کی جائے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ أُخْرٰى﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے مابین (طلاق ہونے کے بعد) دودھ پلانے کی اجرت کے تعین میں اختلاف ہوجائے کہ عورت خطیر رقم کا مطالبہ کرے اور مرد اس پر راضی نہ ہو یا مرد نہایت معمولی معاوضہ دے اور عورت اسے قبول نہ کرے تو کسی اور خاتون سے اجرت پر دودھ پلوایا جاسکتا ہے۔ اگر بچے کی ماں اتنی ہی اجرت پر راضی ہوجاتی ہے جتنی رقم کا مطالبہ اجنبی عورت کررہی ہو تو پھر ماں دودھ پلانے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ کا مطلب ہے کہ دولت مند اپنی دولت کے مطابق خرچ کرے، اُس طرح نہ کرے جس طرح فقراء خرچ کرتے ہیں۔ اور ﴿وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ ''جسے اس کا رزق نپا تلا ملے۔'' یعنی جو تنگ دستی کا شکار ہو ﴿فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ﴾ ''تو وہ اسی رزق میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔'' ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی پر اتنی ہی ذمے داری ڈالتا ہے جتنا اس نے اسے دیا ہے۔'' اور یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کے لائق ہے کہ اس نے ہر ایک کو اس کے حسبِ حال مکلّف کیا ہے۔ تنگدست پر آسانی کی ہے اور اسے اتنا ہی مکلّف ٹھہرایا ہے جتنا اسے دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نان و نفقہ یا دیگر معاملات میں کسی کو اس کی بساط سے زیادہ مکلّف نہیں ٹھہرایا۔ ﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾ یہ تنگ دست لوگوں کے لیے بشارت ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر سے سختی دور کردے گا اور مشقت کا خاتمہ کردے گا کیونکہ

[1] تفسير السعدي، ص: 1027. [2] المصباح المنير، ص: 1417.

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ ''بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔''[1]

76

دو کافر عورتیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾

''کفر کرنے والوں کے لیے اللہ نے مثال بیان فرمائی نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت (نکاح میں) تھیں تو ان دونوں (عورتوں) نے ان کی خیانت کی، پھر وہ دونوں (رسول) ان دونوں (عورتوں) کو اللہ (کے عذاب) سے بچانے میں کچھ کام نہ آئے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہو جاؤ، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔''[2]

اس آیت اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں مومنوں اور کافروں کے لیے بیان کی ہیں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ کافر کا مومن کے ساتھ تعلق اور قرب کافر کو

[1] تفسير السعدي، ص: 1028. [2] التحريم 10:66.

کوئی فائدہ نہیں دے گا اور اگر مومن اپنے فرائض پورے کرتا ہے تو مومن کا کافر کے ساتھ اتصال مومن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ گویا اس میں ازواج مطہرات کے لیے معصیت سے بچنے کی تنبیہ ہے، نیز اگر وہ برائی کریں تو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ان کا تعلق انھیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔[1]

مذکورہ مثال میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، چاہے وہ کتنا ہی قریبی عزیز ہو، چنانچہ فرمایا: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾ ''اللہ نے کفار کے لیے مثال بیان کی۔'' یعنی ان کا مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا اور ان کے ساتھ تعلق، انھیں کسی بھی لحاظ سے فائدہ مند نہیں ہوگا اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذرہ بھر نفع پہنچا سکے گا اگر دلوں میں ایمان نہیں ہوگا۔ پھر مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ﴾ یعنی وہ دونوں ہمارے نبیوں اور رسولوں کے عقد میں تھیں، دن رات ان کی صحبت میں رہتی تھیں۔ ان کے ساتھ کھاتی پیتی اور ہم بستر ہوتی تھیں، ان کی آپس داری بھی نہایت مؤثر اور اختلاط بھی نہایت قربت کا تھا ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ لیکن انھوں نے ان سے خیانت کی، یعنی ایمان میں ان کی موافقت کی نہ ان کی رسالت کی تصدیق کی، پس اس تعلق نے انھیں کچھ فائدہ نہیں دیا نہ ان کا عذاب ٹل سکا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ''پس وہ دونوں انھیں اللہ کے مقابلے میں کچھ کام نہ آئے۔'' یعنی ان کے کفر کی وجہ سے ان دونوں عورتوں سے کہا گیا: ﴿ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾ ''وہ جہنم

[1] تفسير السعدي، ص: 1031.

میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جائیں۔‘‘

اور ﴿فَخَانَتٰهُمَا﴾ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے بدکاری کا ارتکاب کرکے خیانت کی تھی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کے بارے میں خیانت کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی بیویاں انبیائے کرام کی حرمت کی وجہ سے بدکاری کا ارتکاب نہیں کرسکتیں بلکہ اس معاملے میں وہ معصوم، یعنی پاک دامن ہوتی ہیں۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا:

’’ان کی خیانت یہ تھی کہ انھوں نے ان کا دین چھوڑ کر اور دین اختیار کیا، پس نوح علیہ السلام کی بیوی ان کے خفیہ معاملات کی جاسوسی کرتی اور جب کوئی شخص ایمان لے آتا تو اس کی رپورٹ نوح علیہ السلام کی قوم کے ظالم اور سرکش لوگوں کو دے دیتی۔ اور جہاں تک لوط علیہ السلام کی بیوی کا تعلق ہے تو اس کا کردار یہ تھا کہ گھر میں جب کوئی مہمان لوط علیہ السلام کے پاس آتا تو وہ شہر کے بدطینت اور بدکار لوگوں کو اس سے آگاہ کردیتی تھی۔‘‘[2]

77

دو مثالی مومن خواتین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 1423. [2] تفسير الطبري: 161/12.

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝﴾

’’اور اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا: (اے) میرے رب! میرے لیے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔ (اور مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس (کے گریبان) میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔‘‘[1]

یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بیان فرمائی ہے کہ ضرورت کے پیش نظر کافروں سے میل جول انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، بالخصوص جب کہ وہ ان کے محتاج ہو۔[2]

پہلی خاتون جس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی، وہ آسیہ بنت مزاحم ہیں۔ یہ نہایت صاحب بصیرت اور سچی فراست والی خاتون تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں تو فرعون نے انھیں شدید عذاب میں مبتلا کردیا۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ

[1] التحريم 12،11:66. [2] المصباح المنير، ص: 1423.

دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی عذاب جھیلنے کی اس کیفیت کو مومنوں کے لیے ایک ابدی نظیر بنا دیا اور انھیں اس مثال کے ذریعے دین اور اطاعت پر ڈٹ جانے کی ترغیب دی اور مصائب میں صبر کا عمدہ نمونہ ان کے سامنے رکھا کہ وہ بھی اسی طرح صبر کا مظاہرہ کریں۔ اور اس بات کی وضاحت فرما دی کہ کافروں کے ساتھ اتصال اور تعلق انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، جس طرح فرعون کی بیوی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، حالانکہ وہ سب سے بڑے کافر کے عقد میں تھیں۔ اللہ پر پختہ ایمان ہونے کے باعث وہ نعمتوں والی جنت میں چلی گئیں۔[1]

اس خاتون کامل نے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور اسے فرعون کے ظلم اور تسلط سے نجات عطا کی۔ اس نے دعا کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ ''اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (شر) سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔'' ابن جریر نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا: زوجۂ فرعون (آسیہ رضی اللہ عنہا) پر چلچلاتی دھوپ میں تشدد کیا جاتا تھا۔ جب عذاب کی کیفیت ٹلتی تو فرشتے ان پر اپنے پروں کا سایہ کر دیتے تھے اور یہ عظیم خاتون جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتی تھیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم۔'' یہ دوسری خاتون ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے مثال بیان فرمائی ہے۔ اہل ایمان کی دو عورتوں، آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کے ساتھ مثال اسی طرح

(1) حسن الأسوة، ص: 184. (2) المصباح المنير، ص: 1423.

بیان کی جس طرح کافروں کی دو عورتوں، نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان فرمائی۔ اور مریم علیہا السلام کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دنیا و آخرت کی کرامتیں (عزتیں) جمع کر دیں اور کافروں کی قوم کے درمیان ہوتے ہوئے انھیں (اس زمانے کی) دنیا بھر کی عورتوں پر فضیلت سے نوازا۔[1] اور انھی کی شان میں فرمایا گیا کہ ﴿اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ ''انھوں نے اپنی آبرو کی حفاظت کی۔'' یعنی انھوں نے اپنی کامل دیانت اور عفت و پاکیزگی کی بنا پر ہر فحش کام سے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾ ''پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔'' یعنی اپنے فرشتے جبرائیل امین کے واسطے سے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا اور وہ مکمل انسانی شکل میں اُن کے سامنے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماریں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پھونک ان کی شرمگاہ میں چلی گئی جس سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ﴾ ''اور انھوں نے اپنے رب کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔'' اس ارشاد عالی میں مریم علیہا السلام کو علم و معرفت سے متصف قرار دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق میں اس کے کلمات دینی اور تقدیری کی تصدیق بھی شامل ہے۔ اس کی کتابوں کی تصدیق ان امور کی طالب ہے جن کے ذریعے سے تصدیق حاصل ہوتی ہے اور یہ علم و عمل کے بغیر ممکن نہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝﴾ ''اور وہ

(1) حسن الأسوة، ص: 185. (2) تفسير السعدي، ص:1031. (3) المصباح المنير، ص: 1424.

فرماں برداروں میں سے تھیں۔'' یعنی وہ خشیت اور خشوع کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مداومت کرنے والوں میں سے تھیں، یہ ان کے کمال عمل کا وصف ہے۔ وہ صدیقہ تھیں اور صدیقیت کمال علم وعمل ہی کا نام ہے۔ [1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ»

''مردوں میں سے مرتبۂ کمال کو پہنچنے والے لوگ تو بہت ہیں مگر عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہی مرتبہ کمال کو پہنچی ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔'' [2]

78

عفت وپاکدامنی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسير السعدي، ص: 1032. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ......﴾، حديث: 3411، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة ......، حديث: 2431.

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝﴾

''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے، پھر یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے علاوہ چاہے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔'' [1]

یہ آیات محرمات سے شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ مومنوں کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ حرام کے ارتکاب سے دور رہ کر اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس جگہ اس کا استعمال حرام قرار دیا ہے، اس سے مکمل اجتناب کرتے ہیں۔ [2]

پس وہ ایسی مجامعت نہیں کرتے جو حرام قرار دی گئی ہو، یعنی زنا، سدومیت (قوم لوط والا عمل) بیوی کی دبر میں مجامعت اور حالت حیض میں مجامعت سے بچتے ہیں، نیز وہ اپنی شرمگاہوں کی ان لوگوں کے دیکھنے اور چھونے سے حفاظت کرتے ہیں جن کے لیے دیکھنا اور چھونا جائز نہیں۔ وہ ان تمام حرام ذرائع کو ترک کردیتے ہیں جو فحش کام کے ارتکاب کی دعوت دیتے ہیں۔ [3]

سو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ ہر طرف سے حفاظت کرتے ہیں اور خبردار فرمایا ہے کہ جو اس کے علاوہ، یعنی بیویوں اور لونڈی کو چھوڑ کر کسی اور طریقے سے اپنی خواہش

[1] المعارج 70:29-31. [2] المصباح المنير، ص: 1443. [3] تفسير السعدي، ص: 1047.

پوری کرے گا، وہ حد سے تجاوز کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کرنے والا شمار ہوگا۔

یہ آیت کریمہ نکاح متعہ (اور مروجہ حلالہ) کے حرام ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ زوجہ مقصود (جس سے مقصد اولاد اور گھر بسانا ہو) ہے نہ لونڈی۔[1]

اسی طرح یہ آیت سدومیت، زنا، جانوروں سے بدکاری اور مشت زنی کی حرمت پر بھی دلالت کرتی ہے۔[2]

79

اس خطا پر اسے مارا کہ خطاوار نہ تھی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝﴾

’’اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا: کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟‘‘[3]

موء ودہ سے مراد وہ بچی ہے جسے اہل جاہلیت بیٹیوں کو ناپسند کرنے کی وجہ سے زمین میں دبا دیتے تھے۔ روز قیامت زندہ درگور بچی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا؟ تاکہ اس کے قاتل کو انتباہ ہو، پس جب مظلوم سے

[1] تفسير السعدي، ص: 1047. [2] حسن الأسوة، ص: 186. [3] التكوير 81:8,9.

یہ سوال پوچھا جائے گا تو اللہ جانے اس وقت ظالم پر کیا عالم طاری ہوگا۔[1]

زمانۂ جاہلیت کے جہلاء بیٹیوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے زندہ دفن کردیا کرتے تھے۔ اس زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا: ﴿بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝﴾ ’’کہ وہ کس جرم کی وجہ سے قتل کی گئی؟‘‘ اور یہ بات معلومہ حقیقت ہے کہ ان بیٹیوں کا کوئی گناہ نہیں تھا مگر اس سنگین ماجرے کے تذکرے میں ان کے قاتلوں کے لیے زجر و توبیخ اور جھڑکی ہے۔[2]

موء ودہ کے متعلق بہت سی احادیث آئی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن جذامہ بنت وہب سے بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، وَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا»

’’میں نے ارادہ کیا کہ غیلہ، یعنی بچے کے دودھ پینے کی مدت میں مباشرت کرنے سے روک دوں۔ پھر میں نے دیکھا کہ رومی اور اہل ایران غیلہ کرتے ہیں اور یہ فعل ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔‘‘

پھر لوگوں نے عزل سے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهُوَ ﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝﴾»

’’یہ خفیہ زندہ درگور ہے اور یہی وہ موء ودہ ہے جس کی نسبت پوچھا جائے گا۔‘‘[3]

[1] المصباح المنير، ص: 1486. [2] تفسير السعدي، ص: 1076. [3] صحيح مسلم، ◄◄

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا کفارہ

سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ جاہلیت میں کئی بیٹیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ (میرے لیے کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَعْتِقْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ رَقَبَةً قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي صَاحِبُ إِبِلٍ قَالَ: فَانْحَرْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ بَدَنَةً»

''ہر ایک کی طرف سے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرو۔'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! میرے پاس (غلام نہیں ہیں) اونٹ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر ہر ایک کی طرف سے ایک اونٹ ذبح کرو۔''[1]

80

جادوگر عورتوں سے پناہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝﴾

◄◄النکاح، باب جواز الغیلة وهي وطیء...... ، حدیث: 1442، ومسندأحمد: 434/6 واللفظ له. [1] السنن الکبریٰ للبیهقي: 116/8، ومجمع الزوائد: 137/7، و تفسیر ابن کثیر تحقیق عبدالرزاق المهدي: 400/6 وسنده حسن.

''اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے۔''[1]

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جادو کرنے والی عورتوں کے شر سے جو جادوگری میں گرہوں میں پھونکوں سے کام لیتی ہیں جن کو وہ جادو کے لیے باندھتی ہیں۔[2]

امام مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد جادوگر عورتیں ہیں۔[3] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی جب وہ گرہیں لگا کر ان میں پھونکیں ماریں اور دم کریں تو اس وقت ان کے شر سے پناہ طلب کرنا۔[4]

سورت کی آیات میں مذکورہ تمام چیزوں سے اللہ سے استعاذہ، یعنی اللہ کی پناہ طلب کرنا مطلوب ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں پھونک مارنے والے نفوس کے شر سے یا پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے۔ اور نفث سے مراد نفخ (لعاب دہن کے بغیر پھونک) ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ نفث سے مراد ایسی پھونک ہے جس میں تھوک بھی شامل ہو۔ اس میں معتزلہ کا رد بھی ہے جو کہتے ہیں کہ جادو برحق نہیں ہے اور اس کا اثر بھی متحقق نہیں ہوتا۔

اور ﴿الْعُقَدِ﴾ عقدہ کی جمع ہے جس کے معنی گرہ کے ہیں۔ اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ جادو کرتی تھیں تو دھاگے کو گرہیں دے کر ان کے ذریعے سے جادو کرتی تھیں۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ سے مراد لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں ہیں جنھوں نے نبی ﷺ پر جادو کیا تھا۔[5]

[1] الفلق 113: 4. [2] تفسیر السعدي، ص: 1107. [3] تفسیر الطبري: 751,750/12.
[4] المصباح المنیر، ص: 1543. [5] حسن الأسوة، ص: 191.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيهَا فَقَدْ سَحَرَ ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَكَ ، وَمَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ»

''جس نے گرہ لگائی، پھر اس میں پھونک ماری تو تحقیق اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا، اس نے شرک کیا۔ اور جس نے کوئی چیز لٹکائی، اسے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔''[1]

قرآن مجید کی آیات میں وارد عورتوں کے بارے میں خصوصی احکام اور ان کی جو تشریح اس مختصر کتاب میں کی گئی تھی، وہ اپنے اختتام کو پہنچی۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله وصحبه وسلم

[1] سنن النسائي، تحريم الدم، باب الحكم في السحرة، حديث: 4084.

خواتین کے لیے 80 احکامِ قرآن

جو فرد یا معاشرہ خواتین کی عزت اور ان کے حقوق کی نگہبانی نہیں کرتا وہ اخلاقی ویرانی کا شکار ہو کر صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے خواتین پر احسانِ عظیم فرمایا۔ انھیں قعرِ مذلت سے نکال کر گھر کی ملکہ بنایا۔ ماں کی حیثیت سے عورت کو اتنی عظمت بخشی کہ اس کے قدموں تلے جنت کی بشارت دی۔ بہن کی دلجوئی اور قدر شناسی کا سبق دیا اور بیٹی کو شفقت و مرحمت کا مرجع بنا دیا۔ مسلمانوں کے زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے عورت کی تعظیم اور اس کے حقوق کی پاسبانی کا وہ سبق بھلا دیا جس کی تعلیم اسلام نے التزام کے ساتھ دی ہے۔

یہ کتاب اسی سبق کی یاد دہانی کے لیے شائع کی جا رہی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورت کا کیا درجہ ہے۔ ایک مسلمان مرد کو کن اوصاف کی عورت سے شادی کرنی چاہیے۔ بیوی سے کتنی نرمی اور نوازش سے رہنا چاہیے۔ اللہ نہ کرے ناچاقی ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے۔ نکاح، مہر، خلع، طلاق اور عدت کے احکام کیا ہیں۔ حلالہ کتنی گھناؤنی لعنت ہے۔ بیوائیں کیسے حسن سلوک کی مستحق ہیں اور خواتین کو وراثت میں کتنا حصہ ملنا چاہیے۔ فی الجملہ یہ کتاب ایک مسلمان خاتون کے حقوق و فرائض کی مکمل دستاویز ہے۔ معاشرے میں عصمت و طہارت کے تحفظ اور پاکیزگی کا نور پھیلانے کے لیے اسے خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی اس کے مطالعے کی دعوت دیجیے۔

ISBN: 978-9960-500-70-6
9789960500706